ڈاکٹر ذکیہ رانی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو،
جامعہ کراچی۔

اردو میں نظریاتی و عملی تنقید کا تحقیقی تناظر

THEAROTICAL AND PRACTICAL CIRTISIM IN URDU LITRATURE

Abstract

In this article Theoretical and Practical Criticism in Urdu deals with a comprehensive definition and discussion of theoretical and practical criticism. The regularity of urdu criticism cannot create a receptive atmosphere for urdu literature without having it's theoretical and practical dimensions. Therefore on a aforementioned atmosphere has been highlighted through the existing body of criticism in urdu. The above mentioned topic in though a new one for traditional Urdu reader but somehow English literary world has some rudiments of it. In this regard, relationship between Theoretical and Practical Criticism go side by side as the quotations and references in this article proved that relation and procedure.

Short keys: *Theoretical, Practical, Criticism, Urdu Literature, Reader, Writer, Research.*

جیسا کہ تنقید کی تعریفوں سے استخراج کیا گیا ہے کہ تنقید کے معنی کھوٹے کھرے کو پرکھنے کے ہیں۔ ٹی۔ایس۔ایلیٹ کا یہ کہنا کہ ”تنقید سانس لینے کی طرح ناگزیر ہے۔“(۱) یہ تنقیدی فقرہ اپنی وسعت میں زمان و مکان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جب ہم زبان و ادب کے نقد کی بات کرتے ہیں تو دراصل زندگی کے اظہاریہ سے جڑے ہوئے انسانی تخیئل کی کارفرمائی بھی تخلیقیت کے سفر میں ہم دوش ہوتی ہے۔ لہٰذا وسیع معنوں میں جب ہم تنقید کا ذکر کرتے ہیں تو انسانی ذہن میں پھوٹنے والے خیال کو سماجی سطح پر عملی نوعیت کے مسائل درپیش ہوتے ہیں جیسے کسی صنعت کار کے ذہن میں صنعت لگانے کا خیال سرمایہ، جگہ

اور ان مصنوعات (Prodacts) کا سماج میں استعمال یہ تمام باتیں مل کر صنعت کی کامیابی اور ناکامی کی ضمانت ہوتی ہیں اور پھر یہیں سے نفع اور نقصان کا کھیل شروع ہو جاتا ہے آپ نے ملاحظہ کیا کہ تنقید سانس لینے کی طرح ناگزیر ہے اس کا واسطہ کسی بھی صنعت کار بلکہ کسی بھی ذی ہوش کے لیے حرفِ آخر ہے۔اسی سلسلہ نقد سے کائنات کی ترقی ممکن ہو سکی ہے اور اکائی کی طرح کے علوم بھی تخصیصی نوعیت کے حامل ہو چکے ہیں۔اس تمہید کے بعد کبھی ادب، نثر اور شاعری کی تقسیم کا احوال کہلاتا تھا لیکن آج نثری اور شعری اصناف کے تخلیقی مظاہرے اپنی اپنی جگہ اکائی کے حامل ہیں اور ان اکائیوں سے جڑ کر تنقید کی بھی کئی شاخیں قرار پاچکی ہیں جبکہ تنقید کی بنیادی تقسیم کو ہم نظریاتی اور عملی تنقید کہہ سکتے ہیں۔

لفظ نظریاتی میں تنقید کا وہ گوشہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ جس سے تنقید نگار بمعنی شاہد (Observer) کا ذہن کن حقائق کو قبول کرتا ہے اور کن کو رد کرتا ہے۔یہ بات انفرادی سطح لئے ہوئے ہے جبکہ اجتماعی سطح پر لفظ و معنی کی تفہیم کے معیار کا تعین بوجوہ ہو جاتا ہے اور عمومی سطح پر معنویت کے ساتھ سماجی رشتۂ موانست میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔جبکہ تنقید نگار اس اجتماعی شعور یا اجتماعی معیارات کو اصولوں اور نظریوں کی طرح لفظ و معنی کے روابط کو مروّجہ ضابطوں اور قاعدوں سے دیکھنا شروع کرتا ہے۔ دنیائے نقد بالخصوص اردو نقد کا نظریاتی منظر نامہ اسی مذکورہ احوال سے عبارت ہے۔

اردو نقد کے اولین نظریاتی پیمانے بیان و بدیع اور علم عروض کے حوالے سے پیشِ نظر ہیں ۔مشرقی نقد کے سہارے یہ پیمانے پروان چڑھے یہی وجہ ہے کہ نظریاتی سطح پر ابنِ رشیق، قتیبہ بن مسلم ،رودکی جیسے عربی، فارسی کے نظریاتی منظر ناموں کا اردو ناقدین نے سہارا لیا۔(۲) اس ضمن میں خواہ ہیئتی تخلیق یا موضوعی تخلیق کے نقد کے لیے زبان و بیان جس میں صرف و نحو بھی شامل ہے کو بنیاد بنا کر نقد کیا جاتا رہا۔(۳) جوں جوں سماج کروٹیں لیتا گیا اسی طرح رجحان اور تحریکوں کی کار فرمائی نے مکاتیبِ فکر کی راہیں ہموار کیں۔اور ان رجحانوں اور تحریکوں سے برآمد ہونے والے مکاتیب فکر کے حامل نقاد اپنی اپنی نظریاتی بنیادوں کو استوار کرنے کے لیے عمل پیرا ہو گئے۔جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں کہ سماجی تغیرات نے ادب کو بھی براہِ راست متاثر کیا، نظریاتی سطح پر دو تحاریک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

[۱] ادب برائے ادب [۲] ادب برائے زندگی

مذکورہ دونوں تحاریک سے پیدا ہونے والے نظریات نے مختلف انداز سے کروٹ لی اور بعد ازاں کوئی نہ کوئی شکل اختیار کر لی۔اس ذیل میں ڈاکٹر سلیم اختر ''تنقیدی دبستان'' میں رقمطراز ہیں:

''نظری تنقید اصول سازی سے عبارت ہے۔اس میں ادب اور فن سے وابستہ مسائل ومباحث کا جائزہ لیتے ہوئے ادبی قدروں کی چھان پھٹک سے تخلیقی معائیر کا تجزیہ کیا جاتا

ہے۔ادب کیاہے۔؟ تنقید کی کیااہمیت ہے؟اس کا تخلیق سے کیا رشتہ ہے؟ نقاد کا منصب کیا ہے؟ مختلف اصناف کے فنّی حسن و قبح کے تعین کے لئے راہنما اصولوں کی تشکیل و تحلیل۔یہ اور اسی نوع کے دیگر سوالات اور متنوع مسائل کے جوابات مہیا کرنا نظری تنقید کا کام ہے۔یہی نہیں بلکہ ان تمام جوابات پر تنقید بھی اسی میں شامل ہے۔بالفاظِ دیگر نظری تنقید، تنقید پر تنقید کانام ہے۔" (۴)

ڈاکٹر سلیم اختر نظریہ ساز نقاد کے لیے منطقی ذہن، تحلیلی صلاحیت اور ذاتی اُپج کو لازمی قرار دیتے ہیں تاکہ وہ نئے اور منفرد بات کہہ سکے۔(۵)اردو ادب میں نظریاتی تنقید کو فلسفے کے ہم رکاب قرار دینے والے ناقدین نظریہ ساز نقادوں میں مولاناالطاف حسین حالی،مرزاہادی رسوا، میراجی،احتشام حسین، محمد حسن عسکری، سلیم احمد کے نام اہم قرار دیتے ہیں۔کیوں کہ زیادہ تر نقاد دیگر نقادوں کے نظریات سے ہی عملی تنقید کے نمونے پیش کرتے ہیں۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی "کشافِ تنقیدی اصطلاحات"میں لکھتے ہیں کہ:

"نظری تنقید یا نظریاتی تنقید اس قسم کے سوالات سے بحث کرتی ہے کہ ادب کیا ہے؟اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ادب میں روایت کا کیا مقام ہے؟ادب شخصیت کا اظہار ہے یا روحِ عصر کا انعکاس؟ادب پارہ لاشعوری کیفیات ورجحانات کا آئینہ ہے یا فنکار کی شعوری کاوشوں کا حاصل؟ادب کا زندگی کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ تخلیقی عمل کے منازل ومراحل کیا ہیں؟ تنقید کی کیااہمیت ہے؟ نقاد کے فرائض کیا ہیں؟ تخلیق اور تنقید میں کیا رشتہ ہے؟ مختلف اصناف کے صنفی تقاضے کیا ہیں؟ گویا نظریاتی تنقید کا کام ایسے اصول اور بنیادی نظریات وضع کرنا ہے جن کی روشنی میں ہم کسی ادیب، کسی ادب پارے، کسی ادبی دبستان یا کسی ادبی تحریک کو جانچ سکیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بعض اوقات نظریاتی تنقید کی اصطلاح ایسی تنقیدی تحریروں کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے جو کسی خاص فلسفے کی رہنمائی میں کسی ادب پارے کو جانچنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔چنانچہ سید مجتبیٰ حسین لکھتے ہیں:

"نظریاتی تنقید کا دوسرا حصہ وہ ہے جہاں ہم کسی خاص فلسفے (نظریے) کو قبول کر کے یا اس سے متاثر ہو کر ادب کو اس کی وساطت سے سمجھنے اور پرکھنے کی سعی کرتے ہیں۔"(۶)

دنیائے تنقید میں نظریاتی اور عملی تنقید سے معمور ہے۔اردو نقد کے حوالے سے اوّلین ماخذات شاعری کے رموز وعلائم کے ذیل میں سمجھنا چاہئیں۔اس سلسلے میں علمِ عروض پر لکھی جانے والی قابل ذکر کتابوں میں "بحر الفصاحت"(۷)(مولوی نجم الغنی رامپوری)،"حدائق البلاغت"(۸)(مصنف: شمس

الدین فقیر)،''تلخیص عروض و قافیہ'' (۹)(نظم طباطبائی)،' 'دریائے لطافت' ' (۱۰)(سیّد انشاء اللہ انشاء)، ''اردو کا اپنا عروض''(۱۱)(گیان چند جین) وغیرہ وغیرہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اردو کا عروض عربی و فارسی سے مستعار ہے چند بنیادی کتب لکھی گئیں بعد ازاں نقل نویسی نظری سطح پر جاری رہی جبکہ عملی سطح پر نئی مثالوں سے ہر ایک نے اپنی اپنی کتاب کو روشنی بخشنے کی کوشش کی۔ عروض کے بعد بیان و بدیع کا احوال بھی اسی نوع کا ہے کہ مقررہ تعریفیں نقل کی گئیں اور نئی مثالوں کے ذریعے عملی نقد کی راہ ہموار کی گئی۔ اس ضمن میں 'بحر الفصاحت'، 'البیان'، 'البدیع'(سید عابد علی عابد)، 'قواعد اردو'(مولوی عبدالحق)، 'دریائے لطافت' سے نقد کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بحر الفصاحت کے ابتدائیے میں مولوی نجم الغنی رامپوری نے ''بحر الفصاحت'' کی غرض و غایت کی صراحت کرتے ہوئے لکھا کہ اس کے قاری طالبِ علم اور اہلِ بصیرت ہیں جو جوازِ شعر و عدم شعر، عربی، فارسی، اردو شاعری کی ماہیت سے متعلق مباحث کے شائق ہیں۔ ان کی رہنمائی کے لیے علمِ عروض، علمِ معانی، علم بیان اور علم بدیع اور دیگر باتوں کو اس میں پیش کیا گیا ہے۔ طرزِ جدید اور طرزِ قدیم کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''فارسی کی تقلید سے اردو نظم میں جس قدر سختی کی گئی تھی اور صدہا قسم کی قیدیں اور ہزارہا قسم کی پابندیاں مقرر ہوئی تھیں وہ ان اہل قلم نے کم کرنا شروع کر دیں۔ اب وہ بے لطف مضمون آفرینی اور خیالی معرکہ آرائیوں کو چھوڑتے جاتے ہیں۔ دلی جذبات کے ابھارنے اور نیچر کا سماں دکھانے کی طرف متوجہ ہیں۔ جس سے ہماری زبان کا فیشن نہایت خوبصورتی سے بدل رہا ہے۔ اب یہ طرز ایسی مقبول خلائق ہوئی ہے کہ وہ پرانے اور نامی شاعر جن کی طبیعتوں پر پرانی روشنی اپنا سکہ جما چکی تھی، اس سے متنفر ہوتے جاتے ہیں اور بمصداق ''کل جدید لذیذ'' اس نئی مفید طرز پر ایسے فریفتہ و دلدادہ ہوئے کہ یہی راستہ اختیار کرنے لگے ہیں۔ اس نئی طرز میں نہایت سہولت سے کام لے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب انگریزی کی تقلید سے قافیہ کی قید کو بھی اڑانا چاہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قافیہ خاص کر ایسا جیسا کہ شعرائے عجم نے اس کو نہایت سخت قیدوں سے جکڑ بند کر دیا ہے اور پھر اس پر ردیف اضافہ فرمائی ہے شاعر کو بلاشبہ اس کے فرائض ادا کرنے سے باز رکھتا ہے۔ جس طرح صنائع لفظی کی پابندی معنی کا خون کر دیتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قافیہ کی قید ادائے مطلب میں خلل انداز ہوتی ہے۔ اب اردو کی نظم و نثر دونوں چیزیں نہایت آسان ہوتی جاتی ہیں کیونکہ نظم اردو کی قیود کی مجبوریاں، قدیم شاعری کی تقلید نہیں کرنے دیتیں، نہ اگلا رنگ

زمانہ حال کے مذاق کے موافق ہے۔خدا جانے شور افگنان زمان استقبال کیا قیامت برپا کریں گے؟ مگر حیف' کہ اس وقت میں ہم نہ ہوں گے۔"(۱۲)

بلاشبہ "بحر الفصاحت" کی غرض وغایت ماضی کی طرح حال میں بھی اپنے اثرات لیے ہوئے ہے کہ ان سے دامن بچانا مشکل ہے۔اسی طرح اردو کی پہلی قواعد "دریائے لطافت" کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ جسے مشہور شاعر وناقد انشاء اللہ خاں انشاء نے اردو صرف ونحو اور دوسرا حصہ یعنی منطق، عروض وقافیہ، معانی وبیان وغیرہ مرزا محمد احسن قتیل نے ملکر تصنیف کیا۔بقول ناقدین کتاب کی جان پہلا حصہ ہے۔اس کا سالِ تصنیف ۱۲۲۲ھ بمطابق ۱۸۰۲ء ہے، چھیالیس برس بعد اسے مولوی مسیح الدین خاں بہادر کاکوروی نے اپنے مطبع "آفتاب عالم مرشد آباد سے اسے بہ تصحیح شائع کرایا بعد ازاں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ۱۹۱۶ء میں انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد سے از سرِ نو مرتب کر کے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کے ترجمے کے ساتھ شائع کیا۔اس کا مقدمہ لکھا اور دیباچہ مترجم نے تحریر کیا۔اس کے کئی نسخے پاکستان وہندوستان سے شائع ہو چکے ہیں۔مترجم برجموہن دتاتریہ کیفی "دریائے لطافت" کے دیباچہ (اوّل) میں لکھتے ہیں:

> "آج ادب اور زبان سے متعلق جو کوئی بھی جو کچھ لکھتا ہے اس کے سامنے یورپ کا لٹریچر اور اس کے ادیبوں کے نظریے ہوتے ہیں۔'دریائے لطافت' کا سنہ تصنیف انیسویں صدی عیسوی کا آٹھواں برس ہے۔اس زمانے میں اور یورپ کی زبانوں اور علم وادب سے ناواقف محض ہونے کے باوجود 'سیّد انشاء' کا یہ کتاب تصنیف کرنا، اس کی یہ پرداز رکھنا، ان کی دقتِ نظر اور سائنٹیفک تنقید اس روشنی کے زمانے میں محیر العقول ہے۔"(۱۳)

جبکہ بابائے اردو مولوی عبدالحق "دیباچہ طبع ثانی" میں سیّد انشاء اللہ خاں انشاؔ کو علمائے صرف ونحو کی تقلیدی روایت سے انحراف کرنے کے سبب مجتہد قرار دیتے ہیں۔(۱۴) بعد ازاں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے " قواعد اردو" تالیف کی۔اس میں اردو زبان کے حوالے سے لکھی گئی قواعد میں عربی زبان کے صرف ونحو کا تتبع ناجائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "ہمارے ہاں اب تک جو کتابیں قواعد کی رائج ہیں ان میں عربی صرف ونحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ اردو خالص ہندی زبان ہے اور اس کا شمول آریاوی السنہ میں ہے بخلاف اس کے عربی زبان کا تعلق سامی السنہ سے ہے لہٰذا اردو زبان کی صرف ونحو لکھنے میں عربی زبان کا تتبع کسی طرح جائز نہیں۔دونوں زبانوں کی خصوصیات بالکل الگ ہیں:"(۱۵)

نظریاتی تنقید کے ضمن میں یہ امر ملحوظ رکھا جانا چاہئے کہ نقاد کسی بھی نظریہ کے تحت عملی تنقید

کو انجام دے اسے اپنے نقطۂ نظر کو بھی واضح کرنا ہوتا ہے تاکہ اس فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین غیر جانبدارانہ طور سے ہو۔ادب کو اصناف میں تقسیم کرنے کا فریضہ بابائے نقد ارسطو نے انجام دیا پھر یہ تقسیم یورپ سے مشرقی ادب پر بھی اثرانداز ہوئی۔(۱۶)سیّد احتشام حسین کے مجموعے ''تنقیدی نظریات'' میں انھوں نے نظریاتی اور عملی تنقید کے عنوان کے تحت لکھے مضمون میں اپنے نظریات نقد کو واضح کیا ہے، جبکہ دیگر عنوانات میں اپنی تفہیم کی روشنی میں ادبی اصناف کا جائزہ لیا ہے اس کے ساتھ ساتھ قاری کے ذوق شعر فہمی اور ادب کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی ہے اور شعراء واد باء کے ادبی مقام کو واضح کیا ہے۔جو پڑھنے والوں میں فکری اور تفہیمی صلاحیتوں کے اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ گو کہ ان کے بعض نتائج سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے لیکن کلی طور پر استفادہ کیا جائے تو ادب کے متنوع زاویے سوچنے اور سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

عملی تنقید کے حوالے سے کلیم الدین احمد،'کی تصنیف ''عملی تنقید''،جلد:اوّل،حصہ اوّل: شعر و غزل:(۱۷)کل: ۱۹۲ ۲۶۴ 228صفحات [مقدمہ: ۱۹۲صفحات؛بقیہ حصہ ۲۶۴]پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں فہرست نہیں ہے۔ عرض ناشر کے عنوان کے تحت مصنف نے لکھا:

> '' پیشِ نظر تصنیف ایک سلسل ۂتصنیفات کی پہلی کڑی ہے۔مصنف کا مقصد اُردو ادب کے تمام موجودہ سرمایہ کو عملی تنقید کے تحت لاکر اُس کی اصل قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ہے۔اس منصوبے کے تحت یہ سلسلہ تین جلدوں پر مشتمل ہوگا۔جن کی تفصیل یہ ہے۔
>
> '' جلد اوّل: نظم (تین حصے): حصّہ اوّل: غزل: حصّہ دوم: قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ: حصّہ سوم: منظومات:
>
> جلد دوم: نثر (چار حصّے): حصّہ اوّل: ناول: حصّہ دوم: افسانہ: حصّہ سوم: تنقید: حصّہ چہارم: دیگر اصناف نثر:
>
> جلد سوم: اصولِ تنقید: ہر ایک حصہ کے ساتھ ایک مقدمہ بھی ہوگا۔ جس میں اس حصّہ کے متعلق تنقیدی اصولوں سے بحث ہوگی۔''

مذکورہ کتاب میں ۱۹۲صفحات کا مقدمہ شامل ہے۔یہ جلد غزل سے متعلق ہے۔''اردو شاعری پر ایک نظر'' میں کلیم الدین احمد ''غزل کو نیم وحشیانہ صنف ادب'' قرار دے چکے ہیں نیز اردو تنقید سے متعلق بھی ان کی آراء اہلِ نقد و تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہے۔ان کی اس تصنیف میں غزل سے متعلق ناقدین ادب کی تعریفات اور بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں غزل کے ماضی سے لے کر زمانہ موجود تک کے منظر نامے پر تفصیل سے اظہار خیال کیا گیا ہے۔اس کی بقیہ جلدیں شائع نہ ہو سکیں۔اس لیے ہم اسی جلد

سے ان کے عملی تنقید سے متعلق نظریات کو جاننے کی کوشش کریں گے۔اس ضمن میں مقدمہ میں پیش کردہ آراءاوران سے متعلق مصنف کی رائے کو ملاحظہ کیاجاسکتاہے۔

کلی طور پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ غزل کو نیم وحشی صنف سخن قرار دینے والے کلیم الدین احمد صاحب نے اس سے پیشتر انگریزی ادب کے تناظر میں اردو غزل کو جانچنا شروع کیا تھاالبتہ موجودہ تصنیف میں انھوں نے متقدمین ادب اردو اور معاصرین اردو کے نظریات وافکار سے استفادہ کیاہے اور شعراءماضی و حال کے انتخابات کی روشنی میں غزل کہنے اوراس کو جانچنے کے اصولوں پر روشنی ڈالی ہے اوراپنے نظری اور فکری طرز عمل کے ساتھ ان اصولوں کو پرکھا ہے۔جہاں جہاں انھیں اختلاف ہوااس کااظہار کیا۔بنیادی فکر وہی ہے کہ غزل نیم وحشیانہ صنف ادب ہے۔اس میں ربط نہیں ہے۔

مقدمہ میں حالی نے کہا:''غزل جیساکہ معلوم ہے کوئی خاص مضمون مسلسل بیان نہیں کیاجاتا ۔اِلّاماشاءاللہ،بلکہ جداجداخیالات الگ الگ بیتوں میں اداکئے جاتے ہیں''(۱۸)اسی طرح انھوں نے عظمت اللہ خاں کی رائے:''غزل کی دنیامیں توتسلسل ایک طرح کا جرم ہے۔ردیف اور قافیہ کی یکسانیت کے سوا بلحاظ معنی ایک شعر کو دوسرے شعر سے کوئی ربط نہیں ہوتااور اس پر فخر کیاجاتاہے کہ ہر شعر اپنے رنگ میں نرالا اور دوسرے شعروں سے جداگانہ ہے ۔''(۱۹)کی روشنی میں اپنے نظریات کی تطبیق کی ہے۔''عملی تنقید''کے مقدمہ میں زبان وبیان،شعری اصطلاحات،مضمون،غزل کی ہیئت،وغیرہ پر بھی ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے۔شعرالہند میں ابنِ قدامہ اورابنِ رشیق کی فکر سے جڑے افکار انُ کے نزدیک شعر گوئی اور غزل گوئی سے متعلق ہیں ان کا غزل کی تنقید سے کوئی تعلق نہیں۔غزل کے مضامین اور الفاظ کے ضمن میں بھی اعتراضات کیے ہیں۔مجنوں گورکھپوری کے نظریات سے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ حالی کا فیض ہیں اور غزل کی خصوصیات سے متعلق ہیں۔(۲۰)اس کتاب میں شعراء کاانتخاب اور ان اشعار میں موجود معائب ومحاسن کوانہی نکات کی روشنی میں بیان کیاہے۔غزل کی نسبت نظم کو بہتر سمجھتے ہوئے دیگر اصناف میں مثنوی''بہارِعشق'' کا موازنہ ڈی۔ایس۔لارنس کے ناولوں سے کیااوراسے فنونِ لطیفہ کااچھا نمونہ قرار دیا۔(۲۱)اس کتاب کے مقدمہ میں کلیم الدین احمد لکھتے ہیں:

> ''غزل اُردو کی محبوب صنف شاعری ہے۔لیکن اُردو میں شعر اور غزل کو جانچنے کے لیے کوئی اصول نہیں ملتے۔''(۲۲)

مقدمہ کے آخر میں اردو داں کو سہل انگاراور مذاق کی پستی کا حامل قرار دیا ہے۔(۲۳) عملی تنقید کے حوالے سے ابوذر عثمانی کا مقالہ بھی قابل ذکر ہے۔اس کاحوالہ ڈاکٹر وہاب اشرفی''کاشف الحقائق ایک مطالعہ'' میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"نئے نقادوں میں جناب ابوذر عثمانی نے اس کی طرف توجہ کی ہے۔اور ایک بسیط مقالہ قلم بند کیا ہے جو ان کی کتاب "فنکار سے فن تک" میں شریک ہے۔ابوذر عثمانی لکھتے ہیں:

"عملی تنقید اپنے طرز مطالعہ اور طریق کار کی نوعیت کے اعتبار سے ایک خاص تحلیلی اور تجزیاتی طرز تنقید ہے جس کا عمل پوری طرح فن و ہیئت کے دائرے میں بروکار آتا ہے۔اس کا مقصد اولاً ادب کوادب کی حیثیت سے دیکھنا اور ان خارجی معاملات اور بحثوں سے دامن بچانا ہے، جس سے اس کا براہ راست رشتہ قائم نہیں ہو سکتا،نہ ہی ان سے ادبی تخلیق اور تجربے کی تفہیم میں کوئی مدد مل سکتی ہے۔ادبی تخلیق کی تفہیم میں اس کے پس منظری مطالعے کی اہمیت یقیناً مسلم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس کا کام ادب کے بارے میں معلومات فراہم کرنا نہیں بلکہ ادب کی، ادب کی حیثیت سے براہِ راست پہچان عطا کرنا ہے۔اسی لئے عملی تنقید منفرد فن پاروں کے تجزیے پر توجہ کرتی ہے۔اصل نوعیت اور کیفیت سے آشنا کرتی ہے۔ عملی تنقید کا مدعا ہی یہ ہے کہ ادب کو اس طرح پڑھا جائے کہ اس سے قاری کے ادبی فہم و بصیرت اور لطف اندوزی میں اضافہ ہو سکے اور کسی ادبی تخلیق کا مطالعہ قاری کی اپنی انفرادی تخلیقی دریافت یا انکشاف بن جائے۔"(۲۴)

مقدمہ شعر وشاعری کے بعد ۱۸۹۷ء میں "کاشف الحقائق" منظر عام پر آئی۔ڈاکٹر وہاب اشرفی "کاشف الحقائق ایک مطالعہ"میں امداد امام اثر کی عملی تنقیدی حوالے سے لکھتے ہیں:

"اگر کاشف الحقائق میں عملی تنقید کے بھرپور نمونے نہیں ملتے تو حیرت کی بات نہیں ہونی چاہئے۔اس لئے کہ اس باب میں کلیم الدین احمد کے علاوہ دوسرے نئے نقادوں ہی نے قدم بڑھایا ہے۔ہاں حالی کے تجزیے میں بھی عملی تنقید کے نقوش ملتے ہیں۔پھر شبلی نے اپنے طور پر اپنے نقطۂ نظر سے عملی تنقید کے امور سرانجام دیئے ہیں۔احتشام حسین بھی بعض اوقات عملی تنقید کے احاطے میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن یہ سارے سربرآوردہ نقادوں کی صف میں امداد امام اثر کو یوں بھی نہیں رکھا جا سکتا کہ عملی تنقید کے نصب العین کی انہیں خبر نہ تھی۔"(۲۵)

مقدمہ شعر وشاعری میں مولانا الطاف حسین حالی کے نظریات کا اعادہ نظریاتی اور عملی تنقید کے ضمن میں بارہا ناقدین کر چکے ہیں۔ڈاکٹر وحید قریشی(مرتب)"مقدمہ شعر وشاعری" نے مقدمہ میں حالی کی تنقید کے ذیل میں لکھا کہ:

" حالی کے تنقیدی نظریے کی کل کائنات یہی ہے کہ شعر میں جھوٹ نہ ہو،دل گدازی

ہو،سادگی ہو،اس سارے نظام کے پیچھے حالی نے جوکڑیاں ملائی ہیں۔وہ قدیم تنقیدی نظریے اور منطق کے ابتدائی درس سے مستعار ہیں۔اس وجہ سے ان کے نظام تنقید میں کچھ بنیادی خامیاں راہ پاتی ہیں۔وہ لفظ اور معنی کے بنیادی تعلقات کے نباض ہیں اور اس غلط فہمی کے خلاف ہیں جو اس تقسیم سے پیدا ہو گئی تھی۔یہ شیفتہ کی ہمنوائی ہے اگرچہ اس کا سلسلہ فارسی ادب میں بہت پیچھے تک جاتا ہے،تاہم حالی نے اسے سب سے پہلے عملی طور پر تنقیدی نظام میں کچھ دور تک لے جاکر دکھایا اور اس سے پیدا ہونے والے اندازِ نظر (لفظوں سے کھیلنا، بات کا بتنگڑ بنانا،اصوات کا لحاظ رکھنا) کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان کی نظر زیادہ دور تک نہیں جاسکی۔جگہ جگہ وہ خود بھی اسی قدیم انداز کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔"(۲۶)

ڈاکٹر وحید قریشی کے مطابق حالی کے بیان سے شیفتہ،ہالرائیڈ اور سر سیّد کے نظریات کو علیٰحدہ کر لیں تو قدیم تنقیدی نظریات ہی باقی رہ جائیں گے جیسا کہ مولانا حالی "مقدمہ شعر و شاعری" میں لکھتے ہیں:

" "دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوا" یہاں 'کیا ہو گیا' چاہئے۔الغرض نظم ہو یا نثر دونوں میں روزمرہ کی پابندی جہاں تک ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔مگر محاورہ کا ایسا حال نہیں ہے۔محاورہ اگر عمدہ طور سے باندھا جائے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلند تر کر دیتا ہے۔لیکن ہر شعر میں محاورہ باندھنا ضروری نہیں۔بلکہ ممکن ہے کہ شعر بغیر محاورہ کے بھی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر واقع ہو اور ممکن ہے کہ ایک پست اور ادنیٰ درجے کے شعر میں بے تمیزی سے کوئی لطیف و پاکیزہ محاورہ رکھ دیا گیا ہو۔ایک مشہور شاعر کا شعر ہے گوہر اشک سے لبریز ہے سارا دامن: آج کل دامن دولت ہے ہمارا دامن اس شعر میں کوئی محاورہ نہیں باندھا گیا باوجود اس کے شعر تعریف کے قابل ہے۔"(۲۷)

اس مقالے کی غایت اردو زبان میں نظریاتی اور عملی تنقید کی وضاحت کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اس حوالے سے قابلِ ذکر سرمایۂ نقد کا کیا احوال ہے۔یہ بات تو مسلّمہ ہے کہ خواجہ الطاف حسین حالی ہی اردو نقد کے سرخیل قرار پاتے ہیں جبکہ امر واقعہ یہ بھی ہے کہ حالی سے قبل بھی اس زمانے کے رسائل میں نقد و نظر کے سلسلے جاری تھے۔اس ضمن میں رسالہ 'حسن' میں شائع ہونے والا منشی ذکاء اللہ کا مضمون اس بات پر دال ہے کہ حالی کا مقدمہ منشی ذکاءاللہ کے ہی اسلوب میں نظر آتا ہے،یعنی کسی بھی عنوان کو چھوٹے چھوٹے ذیلی عنوانات میں تقسیم کرنا اس عہد کا عمومی چلن تھا۔عربی اور فارسی بالخصوص فارسی زبان کے چلن کے باعث نظریاتی نوعیت اکثر مستعار تھی بعد ازاں یہی صورت انگریزی کے ضمن

میں قرار دی جا سکتی ہے۔ عملی نوعیت کا مختلف ہونا تو یقینی تھا چونکہ نظریات غیر مقامی تھے جبکہ تخلیقات مقامی۔ یہی وجہ ہے کہ ''اصول انتقاد ادبیات'' میں عابد علی عابد کو اردو نقد کے بگاڑ کے اسباب تلاش کرنے پڑے وہ لکھتے ہیں:

''مسلم ہے کہ ہر علم کی ایک خاص زبان ہے جو اس کے مخصوص حقائق کی ترجمان ہے۔ ان کے معنی کی دلالتیں روشن اور ان کے پہلو بین ہونے چاہئیں۔ یہ چیزیں تبادلۂ افکار کا زر رائج الوقت ہیں۔ اس زر کو کھرا ہونا چاہئے۔ اپنی رموز و علامات سے کام لے کر ہر علم و فن کے ماہر دوسروں کی بات سمجھتے ہیں اور اپنا مطلب دوسروں کو سمجھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر فن کے ماہر ایک ہی زبان بولتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس اعتبار سے موجودہ اردو انتقاد پر ایک نظر ڈالئے تو آوے کا آوا بگڑا نظر آئے گا۔ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک انتقاد کا جو دبستان قائم تھا وہ برا تھا یا بھلا اس سے ذرا قطع نظر کر لیجئے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی اصطلاحات معین تھیں اور اس کی زبان کے بولنے والے اپنا مفہوم بالکل صحیح طریقہ پر ادا کر سکتے تھے۔ معانی، بدیع، بیان اور اس کی شاخیں ،فصاحت و بلاغت ،محسنات شعر ،صنائع و بدائع ،کلام ،تمام علامات ایک دوسرے سے مربوط تھیں اور ذہن میں ایک تصور واضح پیدا کرتی تھیں لیکن کچھ عرصہ سے یہ ہو رہا ہے کہ علامات کو معین کئے بغیر ایک زبان بولی جا رہی ہے۔ رموز اس میں بھی ہیں لیکن سربستہ۔ اس سرمایہ انتقاد کے ذخیرے اس قسم کے الفاظ میں پوشیدہ ہیں: قنوطیت، رجائیت ،تشکیک، تحلیل نفسی، و اردات ذہنی، مسلسل تجربات، عظمت، حسن، موسیقی، ترنم، نغمہ، جمالیات، فکر وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان رموز و علامات کے استعمال کے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ خود اس زبان کے بولنے والوں کے ذہن میں ان کا صحیح مفہوم موجود نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے ان میں اکثر اصطلاحات انگریزی اصطلاحات کا ترجمہ ہیں اردو ترجمہ کرنے والوں نے اپنی استعداد ذہنی اور اپنے میلانات فکر کے مطابق لفظ کا انتخاب کیا ہے۔ لکھنے والا کچھ مراد لیتا ہے۔ پڑھنے والا کچھ سمجھتا ہے۔''(۲۸)

نظریاتی تنقید کے حوالے سے قابل ذکر تنقیدی کتب کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

مقدمۂ شعر و شاعری: ۱۸۹۳ء/ مولانا الطاف حسین حالیؔ

کاشف الحقائق ۱۸۹۷ء/ امداد امام اثر

نکاتِ سخن/ حسرت موہانی

روحِ تنقید ۱۹۲۷ء/ محی الدین قادری زور
ہماری شاعری ۱۹۲۸ء/ مسعود حسن رضوی ادیب
افاداتِ مہدی/ مہدی الافادی
انتقادیات/ علامہ نیاز فتح پوری
ادب اور زندگی/ مجنوں گورکھپوری
نقوش وافکار/ مجنوں گورکھپوری
اندازے/ فراق گورکھپوری
اردو کی عشقیہ شاعری/ فراق گورکھپوری
کیفیہ/ برج موہن دتاتریہ کیفی
منشورات/ برج موہن دتاتریہ کیفی
مضامینِ چکبست لکھنوی/ برج نرائن چکبست لکھنوی
اُس نظم میں/ میراجی
مغرب کے تنقیدی اصول/ سجاد باقر رضوی
اردو تنقید، اصول اور نظریے/ حامد اللہ افسر
افادی ادب/ اختر انصاری دہلوی
اصول انتقاد ادبیات/ عابد علی عابد
مقالاتِ عابد: انتقادِ شعر/ عابد علی عابد
انتقادِ ادبیات/ عابد علی عابد
تنقیدِ شعر/ انیس ناگی

ان کتابوں میں نظریاتی تنقید مذکورہ نظریاتی تنقید کی تعریفوں کے حوالے سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔اس بات کی وضاحت یوں کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ کوئی بھی ناقد نظریاتی نوعیت کا سہارا لیے بغیر عملی تنقید کا حامل نہیں ہو سکتا چاہے بات تاثراتی تنقید کی ہی ہو۔تاثراتی تنقید کو بھی اجزائے ترکیبی کے بغیر تاثراتی قرار نہیں دیا جاسکتا لہٰذا میرے اس نکتے کو ملحوظ رکھا جائے۔

حواشی و تعلیقات:

[ا] (الف)

''تنقید اتنی ہی ناگزیر ہے جتنا خود سانس لینا اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جب ہم کوئی کتاب پڑھتے ہیں اور اس کے پڑھنے سے ہمارے ذہن میں جو خیال آتے ہیں اور جس قسم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کا اظہار کوئی بڑی بات نہیں ہے اسی طرح ناقدوں کی تنقیدات پر تنقید کرنا بھی کوئی عیب نہیں ہے''ماخوذ: ٹی۔ایس ایلیٹ: 'روایت اور انفرادی صلاحیت' مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، مؤلف : ''ارسطو سے ایلیٹ تک''اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع ہفتم ۲۰۰۳ء، ص: ۴۸۹تا۴۹۰

(ب)

''یہ خیال اصلاً ایلیٹ کا نہیں ستر ہویں صدی کے انگریز شاعر اور نقاد جان ڈرائیڈن کا ہے جس نے اسے مختصراً یوں کہا تھا کہ ''سانس لینا تنقید کرنا ہے'' بہت ممکن ہے ڈرائیڈن سے بھی پہلے کسی نے کوئی ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہو جو اس کے خیال کی بنیاد بن گیا ہو، ڈرائیڈن کے پیش نظر یہ بات تھی کہ جب سے شاعری کی ابتداء ہوئی ہوگی تنقید بھی شروع ہوگئی ہوگی (اس خیال پر بھی ایلیٹ نے بار بار زور دیا ہے)'' ماخوذ: سید احتشام حسین، پروفیسر، ''تنقید سانس لینے کی طرح ناگزیر ہے' ' مشمولہ: ''افکار'' منتخب مضامین نمبر'اپریل مئی' ۱۹۹۵ء' ص:۹ ۸

[۲] (الف)

''اردو ادب فارسی کے زیر اثر پروان چڑھا۔ ایک حد تک اس کی پوری فضا پورا منظر اور پورا ماحول فارسی سے متاثر تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۸۳۵ء تک سارا ہندوستان خاص طور سے شمالی ہند کی سرکاری زبان فارسی رہی اس لیے ادب و شاعری کی پوری ہیئت نقد و نظر کے تمام پیمانے فارسی سے اخذ کیے گئے عرصہ تک باقاعدہ طور پر تنقید کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی شعراء نے جہاں خال خال اپنے اصول سخن یا اچھے شعر کے محاسن بیان کیے ہیں انھیں سے ابتدائی دور کے تنقیدی نظریات کا اندازہ ہوتا ہے اور ایسے موقعہ پر ان شعراء نے عربی و فارسی معیاروں کو ہی برقرار رکھا ہے بعض ادائے معانی میں اساتذہ کا تتبع، تزئین کلام کی ہر ممکن کوشش، لفظ و معانی کا باہمی ارتباط، الفاظ شیریں، عبارت شستہ، قوافی درست، دور از کار تشبیہات واستعارات اور تعقید وغرابت سے پرہیز، لطافت شیرینی، شگفتگی، سادگی وسلاست، روانی و تاثیر پر زور دینا یہ ایسے اشارے جو اردو کے ابتدائی ناقدین کے یہاں مختلف انداز میں موجود ہیں' '

ماخوذ: سیّد محمد ہاشم، اردو تنقید کی اساس (دہلی: مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۹ء)، ص: ۴۷

(ب)

''چونکہ فارسی میں ادبی تنقید کی روایت کا تعلق عموماً عروض، معانی، بدیع اور بیان تک محدود رہا اس لیے یہی روایت اردو تذکروں میں بھی منتقل ہوئی چنانچہ شعرائے اردو کا تذکرہ لکھنے والوں نے بھی شاعری کی پرکھ کے لیے ان ہی قدیم تنقیدی اصطلاحات کا سہارا لیا جو عربی اور فارسی میں متعین اور مخصوص معنوں میں مستعمل رہ چکی تھیں''ماخوذ: ابوالکلام قاسمی، مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت، (نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۲ء)'ص: ۱۴۲

[۳] (الف)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ عربی اور فارسی کی تنقید میں بیشتر زبان و بیان پر زور دیا گیا ہے کلیم الدین احمد یہ تسلیم کرتے ہیں کہ تذکرہ نگاروں میں قواعد، بیان اور عروض کی غلطیوں کا ہی ذکر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ تذکرہ نگاروں کے

سارے اصول و قواعد بیان و بدیع، عروض ان تین چار دائروں میں آجاتے ہیں ان خیالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کلیم الدین احمد تذکرے میں تنقیدی اصول کو ٹھس اور غیر ارتقاء پذیر تصور کرتے ہیں وہ تذکروں کے دائرۂ تنقید کی محدودیت کے شاکی ہیں ان کو اعتراف ہے کہ شاعری کے انتخاب اور شاعری پر دی گئی رایوں کے پس منظر میں کچھ تنقیدی اصول بھی کار فرما ہیں مگر وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "تذکروں میں تنقید کا عنصر گویا عنقا ہے" ماخوذ: ابوالکلام قاسمی، مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت (۲۰۰۲ء)، ص: ۱۴۷

(ب)

سیّد محمد ہاشم، "اردو تنقید کی اساس" ۱۹۷۹ء، ص: ۴۷

[۴] سلیم اختر ڈاکٹر، تنقیدی دبستان، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص: ۲۵

[۵] سلیم اختر ڈاکٹر، ایضاً، ص: ۲۴

[۶] ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، مرتب، کشافِ تنقیدی اصطلاحات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء)، ص: ۱۹۸

[۷] سلیم اختر ڈاکٹر، ایضاً، ص: ۲۶تا۲۷

[۸] سلیم اختر ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات: توضیحی لغت (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء)، ص: ۲۵۷

[۹] سید احتشام حسین، تنقید اور عملی تنقید یں (لکھنؤ: اتر پردیش اکادمی ۲۰۰۵ء)

[۱۰] ابوالکلام قاسمی، پروفیسر، مرتب، نظریاتی تنقید: مسائل و مباحث (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۶ء)

[۱۱] سید قدرت نقوی، مرتب: بحر الفصاحت (: مصنف مولوی نجم الغنی رامپوری، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل؛ جون ۱۹۹۹ء)

[۱۲] مولوی امام بخش صہبائی، مترجم و مرتب: حدائق البلاغت (: مصنف مولوی شمس الدین فقیر، "لکھنؤ: نولکشور ۱۸۴۲ء)

[۱۳] سیّد علی حیدر نظم طباطبائی، تلخیص عروض و قافیہ (تاج پریس چھتہ بازار سن ندارد)

[۱۴] پنڈت دتاتریہ کیفی، مترجم "دریائے لطافت: (مصنف: سید انشاء اللہ خاں انشاء، مرتب: مولوی عبدالحق، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، طبع دوم ۱۹۸۸ء)

[۱۵] گیان چند جین، اردو کا اپنا عروض (دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۰ء)

[۱۶] مولوی نجم الغنی، دیباچہ، بحر الفصاحت: حصہ اوّل، ایضاً، ص: ۱۱۴تا۱۱۵

[۱۷] پنڈت دتاتریہ کیفی، مترجم، دیباچہ، ایضاً، ص: ق

[۱۸] مولوی عبدالحق، مرتب، دیباچہ، دریائے لطافت ایضاً، ص: ت

[۱۹] مولوی عبدالحق، مرتب، قواعد اردو، (کراچی انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۹ء)، ص: ۳۱تا۳۲

[۲۰] سید احتشام حسین، تنقید اور عملی تنقید، ایضاً، ص: ۲۴

[۲۱] کلیم الدین احمد، عملی تنقید: (جلد اوّل، حصہ اوّل" پٹنہ: کتاب محل، طبع اوّل، ۱۹۶۳ء)

[۲۲] کلیم الدین احمد، ایضاً، ص: ۱۱

[۲۳] کلیم الدین احمد، ایضاً، ص: ۱۱

[۲۴] کلیم الدین احمد، ایضاً، ص: ۱۰

[۲۵] کلیم الدین احمد، ایضاً، ص: ۱۳تا۱۴

[۲۶] کلیم الدین احمد، ایضاً، ص: ۱تا۳
[۲۷] کلیم الدین احمد، ایضاً، ص: ۱۹۲
[۲۸] وہاب اشرفی، ڈاکٹر، کاشف الحقائق ایک مطالعہ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، طبع دوم ۲۰۰۴ء)، ص: ۹۸
[۲۹] وہاب اشرفی، ڈاکٹر ایضاً، ص: ۹۸
[۳۰] وحید قریشی، ڈاکٹر، مرتب، مقدمہ شعر و شاعری (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۵ء) ص: ۶۰تا۶۱
[۳۱] مولانا الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری (مرتب، ڈاکٹر وحید قریشی، ۱۹۸۵ء،) ص: ۲۱۷تا۲۱۸
[۳۲] عابد علی عابد، اصول انتقادِ ادبیات، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء) ص: ۱۳تا۱۵